آپ بیتی کی اہمیت و افادیت: عصری تناظر میں

IMPORTANCE AND SIGNIFICANCE OF AUTOBIOGRAPHY: IN THE LIGHT OF CONTEMPORARY SCENARIO

عاطف منظور

پی ایچ ڈی اُردو (اسکالر)، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان

شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:

An autobiography holds a distinguished status in literary prose. It is not only a self narration of life events but also a source of catharsis which performs self-pergation for the individual. It also contains lessons to learn for the readers. Most of the rank and files have written autobiographies and pened down their observation, incidents and achievements of life in their own styles with some individuality. Their observations and real situation stories inspire the reader toward hardwork and nobility which provided motivation and how to face the difficult situation as food for thought and roadmap for the stakeholders. In this article the scholar has focused how autobiography is significant in contemporary contextual for readers awareness to be connected with the past rolemodels and how integration is necessary for transition of literary assets.

Keywords: Autobiography, Tale, Catharsis, Ethics, History, Society, Aesthetics, Life Style, Personality, Psychological aspects

کلیدی الفاظ: آپ بیتی، داستان، تزکیہ نفس، اخلاقیات، تاریخ، سماج، جمالیات، بود و باش، شخصیت، نفسیاتی عوامل

زندگی ایک سفر ہے اس سفر کی شروعات تو شاید بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اس کا کچھ حصہ اس دنیا میں ہے جس کی ابتدا انسان کی پیدائش سے ہوتی ہے۔ انسان اس دنیا میں زندگی گزار کر جب رخصت ہونے کے قریب ہوتا ہے تو اس مادی دنیا کی زندگی کے ابتدائی مراحل نہ صرف خوش گوار لگتے ہیں بل کہ اسے اپنی جانب متوجہ بھی کرتے ہیں۔ وہ مشکلات جن سے وہ کبھی نبرد آزما ہو چکا تھا وہی کبھی اُسے رقت پر مجبور کرتی تو کبھی اُسے خوشی سے معمور کر دینے کا باعث بنتی ہیں۔ کبھی وہ عہد رفتہ کو آواز دے کر اپنی ناتمام خواہشوں کی تکمیل چاہتا ہے تو کبھی نادیدہ زخموں پر مرہم کا کام سرانجام دینے کا باعث بنتی ہیں۔ بقول عباس تابش:

تجھ تک پہنچ کے اس لیے آنکھیں بھر آئی ہیں
میں بھولتا نہیں کوئی ٹھوکر لگی ہوئی ۱

کبھی ولیم بلیک کی نظم The Echoing Green کا ایک کردار بوڑھا جون بھی پارک میں درختوں کے نیچے کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر اپنے بچپن کی بازگشت کو سُن کر جہاں اطمینان سے سرشار ہوتا ہے وہاں حال کی تلخیوں سے فرار بھی حاصل کرتا ہے۔ بعض اوقات گزرے دور کی مشکلات بھی انسان کو خوشیوں سے سرشار کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے کبھی وہ ان واقعات کو تخیل کے کیوس پر نئے سرے سے رونما ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو کبھی وہ اس سے ایک قدم

آگے بڑھ کر انھیں صفحہ تقراس پر قلم بند کرنے کی سعی کرتا ہوا بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح آپ بیتی جہاں اپنے سفر کی داستان کو قلم بند کرنے کا نام ہے وہاں یہ تزکیہ نفس (Catharsis) کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔ اس لیے آپ بیتی کہیں اپنے سفر کا حال بیان کر کے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کو حوصلہ دینے کا کام کرتی ہے تو کہیں یہ احساسِ تفاخر بھی لیے ہوئے ہوتی ہے۔ اس سے جہاں اپنی کامیابیوں پر تسلی و تسکین ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں دوسروں کے لیے کئی سبق بھی پنہاں ہوتے ہیں۔

کامیاب انسانوں کی آپ بیتیاں لوگ شوق سے پڑھتے ہیں اس کا مقصد افراد کا ان کی زندگی سے دل چسپی سے زیادہ طریقے اور انداز کی پیروی ہوتی ہے جس پر عمل کر کے وہ کامیاب فرد اپنی منزل مقصود پر پہنچا ہے۔ یہی بات نہ صرف آپ بیتی کی ضرورت و اہمیت کو بڑھا دیتی ہے بل کہ آپ بیتی کی ابتدا سے لے کر روزِ ابد تک اس کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دُنیا مادہ سے بنی ہے اس لیے اس مادی دنیا کی کامیابی کا تصور دولت سے وابستہ ہے۔ اس لیے دولت مند افراد کی آپ بیتیاں دنیا میں دولت کمانے کا ارادہ رکھنے والوں میں ہمیشہ مقبول رہیں گی لیکن اس کے باوجود یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ بیتی لکھنے کے لیے کون سے افراد موزوں قرار دیے جاسکتے ہیں۔ کیا یہ آپ بیتی انھیں لکھنی چاہیے جن سے لوگوں کی عقیدت و محبت کا رشتہ قائم ہو۔ یا وہ لوگ اس کے صحیح حق دار ہیں جنہوں نے زندگی میں کامیابی حاصل کر لی ہو۔ کیا سیاسی راہ نما اس کے لیے موزوں رہیں گے یا مذہبی راہ نما۔ یہ شاعر ادیب کو لکھنی چاہیے یا بیوروکریٹ، سرکاری افسر، صحافی، عالم، روحانیت کا مالک کوئی شخص، سجادہ نشین، پروفیسر، جج، وکیل، مورخ، مصلح، ناصح، اخلاقیات کا علم بردار، اداکار، کھلاڑی، پائلٹ، ڈاکٹر یا دنیاوی زندگی میں اہم حیثیت کے حامل افراد۔ یہ سوال اتنا آسان نہیں جتنا بظاہر لگتا ہے۔ اس کے لیے جتنا بھی غور کیا جائے اس کا تنوع اتنا ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آخر کار آئینہ خانے کی حیرت کی مانند انسان حیران سے حیران اور پریشان سے پریشان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس ضمن میں جمیل احمد عدیل لکھتے ہیں:

”اس کا جواب دینا اتنا آسان نہیں لیکن مختصر الفاظ میں خلاصہ بحث یہی ہے کہ ہر شخص اہم ہوتا ہے لیکن اپنے دائرہ کار میں۔ نیک بھی اہم ہوتا ہے، بد بھی اہم ہوتا ہے۔ ہمیں جن افعال و اعمال سے دلچسپی ہو، ہمارے لیے وہی اہم ہوتے ہیں اور وہ اعمال و افعال جس شخص سے سرزد ہوں وہ ہمارے لیے اہم ہو جاتا ہے کیوں کہ اشخاص اہم نہیں ہوتے بلکہ ایک خاص درجہ تو اترا پر پہنچے ہوئے شعوری اور لاشعوری طور پر سرزد ہونے والے افعال و اعمال، حرکات و سکنات، فکری قضایا اور نظریات و معتقدات اہم ہوتے ہیں۔“ ۲

دورِ حاضر میں لکھی جانے والی آپ بیتیاں پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہر طبقہ اور سوسائٹی کے لوگوں نے اس صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ اس طرح اخبار نویسوں، سماجی فلاحی اداروں کے سربراہوں، کارکنوں، اداکاروں، پادریوں، کھیلوں سے منسلک کھلاڑیوں، غرض ہر شعبہ زندگی سے وابستہ لوگوں نے اپنے تجربات و واقعات سے اس کے دامن کو وسعت بخشی ہے۔

اکیسویں صدی کا تیسرا عشرہ بھی اپنے دو سال مکمل کر چکا ہے۔ انسان نے جیسے جیسے ترقی کی ہے اس کی مصروفیات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس مادی دور کے تقاضے پورے کرنے والا انسان جہاں اپنے معاشرے کے افراد سے رابطے منقطع کر کے دنیا میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے رابطے بڑھا چکا ہے۔ اس کی بدولت اس کے فراغت کے لمحات بھی سٹ کر اتنے کم ہو چکے ہیں کہ اُس کے آرام کرنے کے اوقات بھی سکڑ کر کم ہو چکے ہیں۔ اس کا فراغت میں زیادہ وقت سماجی رابطے کے ذرائع جیسے فیس بک، ٹویٹر، واٹس ایپ اور اس نوع کے دیگر کاموں میں صرف ہونے کی وجہ سے وہ کتاب سے بھی غاصدور ہو چکا ہے۔ انسان جب سائنسی ترقی کی منازل طے کرنے کے اولین زمانے سے گزر رہا تھا تب اس کے پاس فراغت کے لمحات وافر مقدار میں دستِ یاب تھے۔ پھر جیسے جیسے سائنسی ترقی کی منازل طے ہونا شروع ہوئیں ویسے ویسے اس کی مصروفیات بڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ سائنسی ترقی کے عروج پر وہ نہ صرف اپنے خاندانوں سے کٹ رہا ہے بل کہ اُس کے پاس

خود اپنے لیے بھی کوئی وقت نہیں رہا ہے۔ ایسے میں کتابوں کے لیے وقت نکالنا، ان سے دل بہلانا اور ان سے سیکھنے کی کوشش کرنا نہ صرف مفقود ہو چکا ہے بل کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جیسے کمپیوٹر کا استعمال ہر شعبہ ہائے زندگی میں بڑھتا جائے گا اس کے ساتھ انسان کا قلم، کتاب اور کاغذ سے رشتہ بھی ختم ہوتا جائے گا اور انسان ہاتھ سے لکھنا بھولتا جائے گا۔ سائنسی ترقی کی بدولت بہت سے ممالک میں تعلیمی سرگرمیوں کا ایک کثیر حصہ آن لائن منتقل ہو چکا ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ مستقبل میں تعلیمی اور امتحانی نظام قلم اور کتاب سے ختم ہو کر مکمل طور پر کمپیوٹر پر منتقل ہو جائے۔

ماضی میں اصناف ادب جیسے قصیدہ، مرثیہ، شہر آشوب، داستان اور سفر نامہ کو بڑے شوق سے قلم بند کیا جاتا تھا اور ذوق سے پڑھا جاتا ہے۔ سائنسی ترقی نے انسانی توجہ کا رخ یکسر موڑ کر سارٹ موبائل فون کی صورت میں تفریح اور معلومات کے دوسرے ذرائع کی طرف مبذول کر دی ہے۔ اس لیے قصیدہ، مرثیہ اور شہر آشوب کے خاتمہ کی بنیادی وجہ وہ مغل حکم ران تھے جنہوں نے ان شعرا کی سرپرستی کی۔ مغلوں کے زوال کے بعد جب ان کی سرپرستی کرنے والے نہ رہے تو یہ اصناف بھی بری طرح متاثر ہوئیں۔ اس کے ساتھ داستان کی مقبولیت میں بھی کمی سائنسی ترقی اور انسانی فراغت کی کمی کا نتیجہ ہے۔ عمومی زندگی میں آج کا انسان پانچ منٹ کے ویڈیو کلپ کو دیکھ کر ان دیکھا کرتا ہے جس کے لیے چالیس سیکنڈ کے ویڈیو کلپ کو سب سے زیادہ مناسب سمجھا جانے لگا ہے۔ ایسے دور میں داستان اور سفر نامہ پڑھنے والے قاری بھی نایاب ہوتے جا رہے ہیں تو ایسے حالات میں سوانح عمری اور خودنوشت پڑھنے والے کہاں سے دست یاب ہوں گے۔ انسان زمانے کا چکر چلانے پر دست رس نہیں رکھتا اور نہ وہ زمانے کا چکر اٹھاتا چلا کر وہ دور لے آتا جب لوگ انسان دوست اور کتاب دوست ہوا کرتے تھے۔

دنیا کی ہر چیز کے تخلیق کرنے کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی مقصد پنہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح ادب کا وجود بے مقصد نہیں اور نہ یہ کب کا مفقود ہو چکا تھا اور اس کی افادیت، ضرورت اور اہمیت ہی نہ ہوتی۔ خودنوشت یا سوانح عمری ایسی تحریر ہے جس میں کسی فرد یا شخص کی زندگی کے سچے واقعات کو سامنے لا کر دوسروں کو مشکل حالات میں محنت کرنے اور آگے بڑھنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے سائنسی ترقی اور دور حاضر کے انسان کی توجہ سماجی رابطے کے ذرائع کی طرف منتقل ہونے کے باوجود آپ بیتی کی اہمیت، ضرورت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ انسان کے اندر تلاش و جستجو کا مادہ فطری طور پر پایا جاتا ہے جس کی بدولت وہ اپنے ارد گرد اور غیر معمولی چیزوں اور کامیابیوں کے بارے میں جاننے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ چونکہ انسان سماجی جانور (Social Animal) بھی کہلاتا ہے اس لیے وہ دوسروں کی خوشیوں، غموں، خوبیوں، خامیوں اور دیگر معاملات میں شریک ہونے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے وہ آپ بیتی کی صنف کے ذریعے ان افراد کی زندگیوں کے حالات و واقعات کو منظر عام پر لانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ ان کے سماجی، ثقافتی، تاریخی، اخلاقی، جمالیاتی اور نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بیتیوں کی تاریخی، ثقافتی، اخلاقی، جمالیاتی اور سماجی اہمیت، ضرورت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد رضا کا کہنا ہے:

”در اصل دنیا کی ہر شے کسی نہ کسی فائدے سے وابستہ ہوتی ہے۔ ادب کا وجود بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اگر اس کی اہمیت و افادیت نہ ہوتی تو یہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ سوانحی ادب کا تعلق چوں کہ ادب سے ہے اور یہ ایسی نثری تحریروں پر مشتمل ہوتا ہے جس میں کسی فرد واحد کے ذریعے خود یا کسی دوسرے کی زندگی کے سچے واقعات پیش کیے جاتے ہیں یا اس لیے اس کی اہمیت و افادیت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔“ ۳

مغربی ممالک میں ابتدائی سوانحی تخلیقات کو تاریخ کی ایک شاخ کے طور پر جانا جاتا تھا جسے ۱۵ویں صدی کے فرینچ صوبائی (Philipped Comymes) کی یادیں یا (George Cavendish) کی کارڈینیل تھامس وو سے (Cardinal Thomas Wosey)۔ ابتدا میں ان تحاریر کو تاریخی مواد سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے لیکن بعد میں اس کو سوانحی ادب کے درجہ میں شمار کیا جانے لگا۔ حقیقی طور پر ان تحریروں کو جو کسی فرد واحد کی زندگی کے

تمام معاملات کو خود یا کسی دوسرے کے ذریعے ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا۔ بعد میں یہ تجاریر ایسی خصوصیت کے طور پر نمایاں ہوئیں کہ تاریخ اور آپ بیتی میں فرق کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔ اس ضمن میں یوسف حسین خان رقم طراز ہیں:

”آپ بیتی زندگی کی تاریخ بھی ہے اور ماورائے تاریخ بھی۔ حافظے کو کھگانے سے زندگی کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس میں ایک طرح کی طلسماتی خاصیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے بشرطیکہ کہانی کہنے والا اپنے فن کے آداب کو برتتا ہو۔“

آپ بیتی اور تاریخ دونوں کا تعلق ماضی کے واقعات سے ہے۔ ان دونوں کی اہمیت کا احساس، چھان بین، تحقیق اور انتخاب، اس کے ماخذوں اور دیگر دوسری باتوں سے ہو سکتا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر محمد عمر رضا کے الفاظ اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

”آپ بیتی اور تاریخ میں امتیاز کے باوجود اس کی تاریخی اہمیت مسلمہ ہے۔ دونوں کا تعلق ماضی سے ہے اور دونوں میں تحقیق، چھان بین، ماخذوں کا انتخاب اور دیگر ضروری باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے جس سے کسی بھی شخص یا عہد کے متعلق بنیادی حقائق منظر عام پر آ جاتے ہیں۔“

آپ بیتی صرف سیاسی تاریخ ہی بیان نہیں کرتی بل کہ اس میں کسی فرد واحد کے دور کے سماجی، معاشی اور ثقافتی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد عمر رضا لکھتے ہیں:

”سوانحی تحریروں میں کسی نہ کسی زاویے سے فرد واحد کی پوری یا ایک خاص عہد کی زندگی جس نوع کی بود و باش، لوگوں کے عادات و اطوار، لباس، بعام، تعمیرات، موسیقی، ادب اور دیگر سماجی، معاشی اور ثقافتی حالات ہوتے ہیں۔“

کسی مختص دور کی سماجی، ثقافتی اور معاشی صورت حال سے آشنائی کے لیے جہاں سوانحی ادب مددگار ہوتا ہے وہاں وہ اس ماحول کی کامیاب تصویر کشی بھی کرتا ہے۔ جیسے غالب کے عہد میں دہلی کی سماجی اور ثقافتی حالات کے متعلق بہت سی معلومات ہمیں ان کے خطوط سے دست یاب ہوتی ہیں۔

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ انسان پر اس کے ماحول کا اثر دیر پا ہوتا ہے بل کہ جس عہد میں اس نے آنکھ کھولی ہو اس کے اثرات اس کی شخصیت پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ شخص جب بھی مکتوب، سفر نامہ، روزنامہ، خودنوشت سوانح، رپورتاژ، سوانح عمری اور خاکہ جیسی اصناف تخلیق کرتا ہے تو ان میں براہ راست یا بالواسطہ اثر اس کے ماحول کا ہوتا ہے جس کی چاپ اس کی تحریروں سے سماعت کی جاسکتی ہے۔ خودنوشت اس کے عہد کے رویوں اور نفسیاتی اثرات کی ایک رپورٹ بھی پیش کرنے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اسی طرح خودنوشت سوانح میں اخلاقیات کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اس میں جہاں صداقت پر زور دیا جاتا ہے وہاں ایسے حقائق سے بھی پردہ پوشی کرنی چاہیے جو معاشرے کے افراد کے اخلاق پر اثر انداز ہو سکتے ہوں۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد عمر رضا کی رائے ملاحظہ ہو:

”خودنوشت سوانح میں واقعات کے انتخاب میں اخلاقی نقطہ نظر کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ اگر اخلاقی نقطہ نظر سے کچھ ایسے واقعات ہیں جن کے اظہار سے معاشرے پر غلط اثرات مرتب ہو سکتے ہیں تو ایسے واقعات کی پردہ پوشی کرنے میں کوئی قیاحت نہیں۔“

انسان کو جس طرح ایک بے چین فطرت ودیعت کی گئی ہے اور وہ اس کے ذریعے نئی نئی چیزیں ایجاد اور دریافت کرنے کا کام سرانجام دیتا ہے اسی طرح خوب سے خوب تر کی تلاش اُسے زندگی کے میدانوں میں نمایاں خدمات دینے والے افراد کی زندگیوں سے متاثر ہو کر ان جیسی شخصیت پیدا کرنے کی طرف مائل ہونا

ایک فطری بات ہے۔ جب تک انسان میں یہ جذبہ موجود رہے گا تب تک زندگی ترقی کی راہوں پر گام زن رہے گی اور خود نوشت سوانح یا آپ بیتی کی اہمیت اس تناظر میں کسی بھی دور میں کم نہ ہو پائے گی۔

حوالہ جات:

- ۱۔ عباس تالش، عشق آباد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۵۶۰
- ۲۔ جمیل احمد عدیل، خود نوشت سوانح عمری، لاہور: دھنک مطبوعات، ۲۰۲۱ء، ص ۲۷
- ۳۔ محمد عمر رضا، ڈاکٹر، اردو میں سوانحی ادب فن اور روایت، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰
- ۴۔ یوسف حسین خان، یادوں کی دُنیا، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰
- ۵۔ محمد عمر رضا، ڈاکٹر، اردو میں سوانحی ادب فن اور روایت، ص ۲۲
- ۶۔ ایضاً، ص ۲۴
- ۷۔ ایضاً، ص ۲۷